عالمِ اسلام اور یہودی سازش

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

یہودی دنیا کی عجیب و غریب قوم ہے۔ تاریخ میں اس کا کردار دوسری قوموں سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ اس کی مخصوص ذہنی تشکیل ہے۔ یوں تو دنیا میں اور بھی اقوام ہیں، جن کو پیدائشی طور پر برتری کا دعویٰ ہے، مثلاً ہندو، جرمن اور جنوبی افریقہ کے سفید فام، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی نسلی برتری کو قومی عقیدہ، قومی فلسفہ اور مستقبل کا قومی منصوبہ نہیں قرار دیا۔ قومی جدوجہد کا اس کو محور و مرکز نہیں قرار دیا۔ اس معاملہ میں یہودی قوم بالکل نرالی قوم ہے۔ اس کی ماضی کی تاریخ اور اس کے مستقبل کے عزائم کو صرف ایک جملہ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مذہبی کتاب "تالمود" میں درج ہے:

"یہودی اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ قوم ہے۔ اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ تمام انسانوں پر اپنا حکم نافذ کرے۔"

ایک دوسری جگہ اس میں درج ہے:

"جس طرح حیوانوں میں انسان افضل ہیں، اسی طرح یہودی تمام انسانوں میں افضل ہیں۔ یہودیوں کے علاوہ تمام انسانوں میں بہیمیت اور دنائیت پائی جاتی ہے۔"

قرآن مجید نے بھی ان کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے:

"وہ کہتے ہیں کہ غیر یہودیوں کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ وہ دیدہ ودانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔ (آلِ عمران۔ ۷۵)۔

اکابر صہیون کی سیاسی دستاویز (PROLOCOL OF THE ELDER'S OF THE ZION) جس کو آج کل کے یہودی قومی منشور کا درجہ دیتے ہیں۔ اس میں بھی درج ہے:

"ہم غیر یہودیوں سے افضل ہیں۔ یہ لوگ آنکھیں تو رکھتے ہیں، مگر دیکھ نہیں سکتے، بجز مادی اشیاء کے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فطرت نے ہمیں حاکم بنایا ہے اور دنیا کے تمام انسانوں کو محکوم بنایا ہے"۔

کئی ہزار سال سے برتری اور حاکمیت کا یہ تصور یہودی قوم کے دل دماغ میں رچا بسا موجود ہے۔ اس تصور نے یہودی قوم کے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے۔ اس تصور کے اثرات مثبت کم ہوئے اور منفی زیادہ ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ میں یہ اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ آج سے قبل کی تاریخ میں کل دو مرتبہ ان کو حکومت وسلطنت کا موقعہ ملا ہے۔ پہلا موقع گیارہ صدی قبل مسیح میں، جو چار سو سال تک جاری رہا۔ جس کو اشوریہ کے بادشاہ بخت نصر نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ختم کر ڈالا۔ بیت المقدس کو تباہ کر دیا۔ ہیکلِ سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور پوری یہودی قوم کو غلام بنا کر اشوریہ (عراق) لے گیا۔ ڈھائی سو سال کی محکومی اور غلامی کے بعد اس کو رہائی ملی — جلاوطنی کے بعد یہ پھر فلسطین میں آئے اور ایک حصہ پر حکمران ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی چار سو سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا کہ پہلی صدی مسیحی میں رومیوں نے شام پر قبضہ کر لیا۔ اور یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔ جس کے بعد وہ پوری دنیا میں منتشر ہو گئے۔ اس کو وہ (DIASPORA) کہتے ہیں۔ اب انہوں نے یہ عقیدہ بنایا کہ اب ہم مسیحا کی قیادت میں ارض مقدس میں داخل ہوں گے، اس سے پہلے نہیں۔

بربریت کی غواہاں یہودی قوم کو غلامی، محکومی اور ذلت سے طویل سابقہ پیش آیا۔ اس بات نے یہودی قوم کی ذہنی تشکیل پر خاص اثر ڈالا۔ اس کی تشکیل ایک خاص نہج پر استوار ہوتی ہے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ فی الحقیقت دنیا میں حکومت کرنے کا حق تو ہمارا ہے، لیکن کبھی ہم ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی باطن۔ تاریخ میں پہلے ہم پر دورِ مستوری تھا، پھر دورِ ظہور آیا، پھر ہم

دورِ مستوری میں چلے گئے ہیں۔ اور آخر میں مسیح موعود کے ہمراہ ہمارا دورِ ظہور شروع ہوگا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ان کے اندر اختلاف رائے پیدا ہوگیا ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ مسیح کے ساتھ ارض مقدس میں جائیں گے۔ اس سے قبل جانا حرام ہے۔ یہ لوگ اسرائیلی ریاست کے خلاف ہیں۔ دوسرے فرقہ نے یہ تاویل کی ہے کہ مسیح موعود کا دور شروع ہوچکا ہے۔ ہماری ریاست قائم ہوگئی ہے، البتہ جب ہمارا قبضہ تمام ارض موعود پر مکمل ہو جائے گا تب مسیح موعود ظاہر ہو جائیں گے۔

ہزاروں سال سے یہ قوم آمدِ مسیح اور ارضِ مقدس کے وعدہ پر زندہ ہے اور پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھتی رہی ہے۔ مگر حقائق اور واقعات کی دنیا میں ہر جگہ ذلیل وخوار اور غلام و محکوم رہی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر اس کے اندر ایک طرف اخفا اور رازداری اور دوسری طرف سازش و عیاری کا پیدا ہونا لازمی امر تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں رذائل یہودی قوم کے کردار کا لازمی حصہ نظر آتے ہیں۔ تاریخ میں جتنی بھی بڑی بڑی سازشیں ہوئی ہیں۔ ان کا سررشتہ یہودی قوم کے ہاتھ میں نظر آئے گا۔ دنیا میں کتنی ہی لڑائیاں انہوں نے بھڑکائی ہیں، لیکن اخفا کا کمال یہ ہے کہ بہت کم راز فاش ہوسکا۔

یہودیوں کی اس سازشی فطرت کا نتیجہ ہے کہ یہ کسی ملک کے ہمدرد و بہی خواہ نہیں ہے۔ ان کا راز فاش ہونے کے بعد مختلف ملکوں نے ان کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کردیا ہے۔ شام سے ۵۰، قبل مسیح میں نکالے گئے، فلسطین سے پہلی صدی عیسوی میں نکالے گئے۔

جزیرۃ العرب سے ۴۷۰ء میں نکالے گئے۔ انگلستان سے ۱۲۹۱ء میں نکالے گئے۔ فرانس سے ۱۳۰۶ء اور ۱۳۹۴ء میں نکالے گئے۔ بلجیم سے ۱۳۷۰ء میں نکالے گئے۔ چیکوسلواکیا سے ۱۳۸۰ء میں نکالے گئے۔ ہالینڈ سے ۱۴۴۴ء میں نکالے گئے۔ اسپین اور پرتگال سے ۱۵۰۰ء میں نکالے گئے۔ روس سے ۱۵۱۰ء میں نکالے گئے۔ اطالیہ سے ۱۵۴۰ء میں نکالے گئے۔ جرمنی سے ۱۵۹۱ء میں نکالے گئے۔ اور ۱۹۳۶ء میں ہٹلر نے ان کا قلع قمع کیا۔ قرونِ وسطیٰ میں جب سارے یورپ سے یہ نکالے جاتے تھے تو یہ عالم اسلام تھا جہاں ان کو پناہ ملتی تھی۔ عظیم یہودی کونسل (GRAND JENSH CONCIL) کا دفتر پانچ صدیوں سے قسطنطنیہ ہے۔

ان جلاوطنیوں اور ہلاکتوں کے بعد انھوں نے مستقبل کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا جس کو وہ (PROTOCOL OF THE ELDER'S OF ZIONS) کہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس پر نظرثانی کرتے رہتے ہیں۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بیسل میں نظر ثانی ہوئی تھی۔ اتفاق سے اس مسودہ دستاویز کا ایک نسخہ کسی طرح غیر یہودی ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ جس کے بعد ان کے منصوبہ کا دوسروں کو بھی علم ہوا۔ سارے ملکوں میں یہودی پھیلے ہوتے ہیں۔ سارے ملکوں کی سیاسی حکومتوں پر اثر انداز ہونے کے لیے ان کو استعمال کیا گیا۔ اور خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے۔ ہر ملک کے سیاسی، معاشی معاملات میں وہ دخیل ہو گئے۔ اور اس کام کیلئے پالیسیوں کو اپنے حق میں ہموار کیا۔ فری میسن لاج، لائن کلب (LOIN) روٹیری کلب (ROTERY) وغیرہ مخفی اداروں کے ذریعہ غیر یہودیوں کو اپنے لیے بطور آلہ کار استعمال کرتے ہیں مسودہ دستاویز میں اس کا ذکر ہے:

"ہم فری میسن لاجوں میں ایسے تمام اشخاص کو جذب کر لیتے ہیں، جو معاشرے میں نمایاں مقام کے حامل ہوں۔ خبروں کی بہم رسانی اور معاشرے پر اثر اندازی کے لیے یہ بہترین ذریعہ ہیں"۔

ایک اور جگہ لکھا ہے:

"غیر یہودی مویشیوں کو ہم نے فری میسن لاج کے نمائش خانوں میں جمع کر رکھا ہے"۔

اقوامِ عالم پر غلبہ حاصل کرنے کے اس منصوبہ کے متعلق اپنی یہودی قوم کو متنبہ کر کے وہ کہتے ہیں:

"ان باتوں کو غور سے سنو، ایسا نہ ہو کہ بزرگان صہیون کی صدیوں کی محنت رائیگاں چلی جائے"۔

ان کی نگاہ میں کوئی انسان کسی تکریم کا مستحق نہیں ہے۔ ان پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا جا سکتا ہے۔ مسودۂ دستاویز (PROTOCOL) میں لکھا ہے:

"ہم نے غیر یہودی نوجوانوں کی نسلیں ان نظریات پر پروان چڑھائی ہیں جن کو

ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ تباہ کن ہیں"۔

ساری دنیا کے انسانوں کو وہ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس اقتباس سے ہو سکتا ہے:

"غیر یہودی بھیڑوں کا ایک گلہ ہے۔ اور ہم بھیڑیے ہیں۔ اور تم خود سوچ سکتے ہو کہ بھیڑوں کا کیا حشر ہوگا جب ان پر بھیڑیے آ پڑیں گے"۔

یہودیوں کی عالمی منصوبہ بندی کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں موجود ہر قسم کے استحکام اور پائداری کو انتشار اور اختلال سے بدل دیا جائے۔ خواہ وہ استحکام مذہبی ہو، اخلاقی ہو، سیاسی ہو، معاشرتی ہو، کیسا ہی استحکام ہو۔ منتشر اور پراگندہ گروہ ایک منظم قوم کے سامنے نہیں ٹھیر سکتا ہے۔

مسودۂ دستاویز میں لکھا ہے:

"اس لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اللہ کے تصور کو ہی غیر یہودیوں کے ذہنوں سے نکال دیا جائے۔ اور اس کی جگہ مادی منافع اور دو اور دو چار کی مادی فکر کو غالب کر دیا جائے"۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ عوام کے ذہنوں کو تنقید در تنقید کے عمل کے ذریعے مفلوج کر دیا جائے۔ اس کو سنجیدہ غور و فکر کے قابل ہی نہ چھوڑا جائے تاکہ وہ مزاحمت ہی نہ کر سکے۔ ان کے ذہن کو مالی خرابی، لفظی جنگ کے چکر میں اُلجھا دیا جائے"۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"ان باہمی آویزش و پیکار سے ہم غیر یہودیوں کو اتنا خراب و خستہ کر دیں گے کہ وہ بخوشی بین الاقوامی اختیار ہمارے حوالے کر دیں گے۔ ہم پھر ساری دنیا میں ایک بالا ترین حکومت قائم کریں گے"۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ کام ہم کیسے کریں گے :

"خود غرضی اور انتقام، نفرت اور حقارت، حرص اور لالچ یہ ہمارے ہتھیار رہیں۔ ان سے ہم مختلف اوقات میں کام لیتے رہتے ہیں۔"

ایک جگہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ہم کن لوگوں سے کام لیتے ہیں :

" ہمارے ملازم ہر قسم کے لوگ ہوں، شاہ پسند، جمہوریت پسند، سوشلسٹ، کمیونسٹ، خیالی پلاؤ پکانے والے۔ ان سب سے موقع بموقع ہم کام لیتے رہتے ہیں۔ یہ سب کام عقل، فکر اور تجدد کے نام پر لیے جاتے ہیں۔ ان سب کے پیچھے یہود کا مخفی ہاتھ کام کرتا رہتا ہے۔"

نشأۃ ثانیہ (یورپ) کے زمانے سے لے کر آج تک کی یورپ کی فکری تاریخ کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہودی قوم قدم بہ قدم اپنے مقاصد کے حصول کی سمت آگے بڑھ رہی ہے۔ سب سے پہلے مشرک یونان اور مشرک روما کے علوم و فنون کو تحریک احیاءِ علوم کے دور میں یورپ میں عام کر دیا۔ جس کے بعد یورپ میں مسیحیت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ معاشرے میں معیارات اور اقدار مسیحی فیصلے کے مطابق نہیں رہے، بلکہ یونان اور روما کے ملاحدہ کے اقوال قرار پائے۔ اس کا لازمی نتیجہ آزاد خیالی لبرلزم کی صورت میں نکلا، جس نے اخلاقی پابندیوں کو ڈھیلا کر دیا۔ امن و امان کے نام پر لادینیت، سیکولرزم کی تحریک چلائی گئی۔ اور سیاست کے دائرہ سے مذہب کو خارج کر دیا گیا۔ اس کے بعد صورتِ حال یہ بنی کہ صدیوں کا آزمودہ دینی اور اخلاقی اقدار کا اندوختہ سرمایہ، بے لگام اور بے رحم لبرلزم کے مفکروں اور دانشوروں کے سامنے ایک کباڑی کی دوکان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔

ہر شخص انتشار کی ایک نئی صدا لگا رہا تھا، جس کا رد کرنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میکیاویلی نے سیاست کے دائرے سے اخلاق کو اور خدا کو خارج کر دیا۔ نیوٹن نے کائنات کی جو توجیہ پیش کی۔ اس میں خدا کے وجود کی نفی ہو گئی۔ ڈارون نے تخلیقِ کائنات و تخلیقِ آدم کے دائرہ سے خدا کو باہر کر دیا۔ فرائڈ نے ذہنِ انسانی کی تشریح اس انداز سے کی کہ نہ روح کا وجود باقی رہا اور نہ خدا کی ضرورت۔ ہیگل نے خدا کو روحِ مطلق قرار دیا۔ اور اس کو قابلِ تغیر بتایا۔ رسپی نوزا نے

خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔ اس طرح کوئی چیز محترم و مقدس باقی نہیں رہی۔ مادہ باقی رہا جو انا ولا غیری کا نعرہ لگا رہا تھا۔ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے بعد کوئی شے ازلی اور ابدی باقی نہیں رہی۔ ہر شے اضافی بن گئی۔ کارل مارکس نے قوموں کے عروج و زوال میں دستِ قدرت کی کارفرمائی ماننے سے انکار کر دیا۔ ان دانشوروں کا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے کچھ اور ڈھنڈورچی مل گئے۔ سب نے مل کر ایسا شور و ہنگامہ برپا کیا کہ کسی شے کا استحکام باقی نہیں رہا۔ سارے نظریات جو دیے گئے وہ منفی تھے۔ اثبات کرنے والا نظریہ ایک بھی نہیں رہا۔ انسانیت کو صدیوں کے اندوختۂ افکار و نظریات اور اقدار سے عاری کر دیا، برہنہ کر دیا۔ جیسے بغیر لنگر کے جہاز ہوا اور بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا جائے۔

انسانیت کے قافلہ کو اس بدحالی تک پہنچانے میں یہودی فتنہ گروں کا ہاتھ ہے۔ بعض "دانشور" تو کھلم کھلا یہودی تھے۔ مثلاً اسپی نوزا، سگمنڈ فرائڈ، کارل مارکس، لطشہ ولاڈمیر لینن، ٹراٹسکی، ایبرٹ، آئن سٹائن اور دوسرے بہت سے لوگ ان کے آلۂ کار تھے۔ انھوں نے وطنیت، قومیت، بین الاقوامیت، سرمایہ داری، اشتراکیت، اشتمالیت، فسطائیت، آمریت، جمہوریت جیسے بیسیوں مخمصوں میں پھنسا کر پوری دنیا کا ذہن اور عملی سکون غارت کر دیا۔ پوری دنیا کو سرگشتہ و حیران بنا ڈالا۔ فکری اور تہذیبی میدانوں میں یہودیوں کے پنجے گڑے ہوئے ہیں۔ وہ ساری دنیا کو نچا رہے ہیں۔

انیسویں صدی میں مغربی اقوام دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض ہوگئیں۔ دنیا بھر کی قوموں کے سیاہ و سفید کا معاملہ یورپ کے چند حکمرانوں کی صواب دید پر منحصر ہوگیا۔ اس افرنگی استعمار کے پیچھے پیچھے یہودی سرمایہ دار کے اثرات بھی ساری دنیا میں پھیل گئے۔ اس لیے کہ یورپی اقوام کی سرمایہ داری کی طاقت پر یہود کا قبضہ تھا۔ بقول اقبال یورپ کی رگِ گردن پنجۂ یہود میں تھی ـــ سرمایہ کاری کے راستہ سے یہود نے سیاست میں بھی پنجے جما دیے۔ آج کل کی سیاسی دنیا میں ذرائع ابلاغ کی قوت بڑی زبردست ہے۔ حکومت کا کوئی ادارہ اس قوت کی مزاحمت کے سامنے ٹک نہیں سکتا۔ اس ذریعہ کو یہودیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نئی نسلوں پر اثر انداز ہونے کا سبب سے اہم ذریعہ درس گاہیں اور جامعات ہیں۔ دنیا کی بیشتر جامعات میں یہودی اثر و نفوذ بہت زیادہ

ہے - اسلام سے متعلق علوم کے ماہر اساتذہ جن کو مستشرقین کہا جاتا ہے - وہ تقریباً سارے ہی یہودی ہیں یا یہودیوں کے شاگرد ہیں - انہوں نے اسلام کی تفہیم و تعبیر میں وہ ریشہ دوانیاں کی ہیں کہ الامان والحفیظ ہے - اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا "جدید اسلام کی سب سے بڑی مصیبت مستشرقین کا وجود ہے - ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے آنے والے مسلمان طلبہ آج عالم اسلام میں اہم مناصب پہ فائز ہیں - اور اپنے استادوں کے افکار کو داخل کر کے اسلام کی صورت کو مسخ کر رہے ہیں - یہ سب کچھ ایک خفیہ منصوبہ کے تحت ہو رہا ہے - اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اقوام عالم یہود کے بنائے ہوئے خطوط پہ گامزن ہیں"۔

آج کی دنیا میں روس اور امریکہ دو بڑی طاقتیں ہیں - اور عام خیال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی دشمن ہیں - ایک سرمایہ داری ریاست ہے اور دوسری سوشلسٹ ریاست ہے، مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی یہودی ذہن کی ساختہ پرداختہ ہیں - اور دونوں ہی یہودی اغراض کو پورا کر رہی ہیں - جس طرح مثبت اور منفی ردعمل کر بجلی پیدا کرتی ہے - امریکہ کی یہودی نوازی تو ظاہر ہے، لیکن روس کی سوشلسٹ ریاست بھی یہودیوں کی ساختہ ہے - سوشلزم کا نظریہ پیش کرنے والا کارل مارکس یہودی تھا - روس میں سوشلسٹ ریاست قائم کرنے والا ولاڈی میر لینن یہودی تھا - زار روس کی دشمنی میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے لینن کو تین سو دیگر یہودیوں کے ہمراہ مع سازوسازاور رقم داشتا سے بذریعہ گاڑی ماسکو پہنچایا، جنہوں نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کا انقلاب برپا کیا - اولین انقلابی حکومت کے ۵۰۲ اہم مناصب میں سے ۴۵۷ مناصب پر یہودی قابض تھے -

اسرائیلی ریاست کا تصور پیش کرنے والے تھیوڈور ہرٹزل کے الفاظ قابل غور ہیں:

"جب ہم ڈوبتے ہیں تو انقلابی پرولتاری بن جاتے ہیں - اور جب ہم ابھرتے ہیں تو ہمارے ساتھ زر کی عظیم قوت بھی ابھر کر سامنے آجاتی ہے"۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں یہودی ذہن کے دو رخ ہیں - اس حقیقت کے پیش نظر اس واقعہ کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں محسوس ہونی چاہیے کہ ۱۹۴۸ء میں جب امریکہ اور برطانیہ نے اسرائیل کی ریاست قائم کی تو جس ملک نے اس کو تسلیم کرنے میں پہل کی وہ روس تھا - اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جب الگزانڈرس میں لکھتا ہے:

"اگر سُرخ فوج نہ ہوتی تو یہودی نہ یورپ میں ہوتے اور نہ فلسطین میں - اور امریکہ میں بھی ہماری مدت ختم ہو جاتی۔ سوویٹ روس نے درحقیقت یہودی قوم کو بچا لیا۔ امریکہ کے یہودی عوام کو رُوس کا یہ احسان فراموش نہیں کرنا چاہیے"۔

مغربی استعمار کے جلو میں جب یہودی قوم کو مشرق و مغرب میں اس قدر غیر معمولی اثرات حاصل ہو گئے تو انیسویں صدی کے وسط میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمارے پاس سیاسی طاقت بھی ہونی چاہیے۔ یہود کا ایک وطن ہونا چاہیے۔ ایک مصنّف کے بقول ۱۸۶۰ء سے پولینڈ اور مشرقی روس میں بسنے والے یہودیوں کے گھر گھر میں مناظرہ جاری تھا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ فوراً وطنِ یہود قائم کر دیا جائے۔ اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ پہلے سوشلسٹ ریاست قائم کی جائے وہ پھر آگے چل کر دولتِ یہود کے لیے راہ ہموار کرے گا۔ دولت اسرائیل قائم کرنے کی تحریک تھیوڈور ہرٹزل کی رہنمائی میں بڑے زور شور سے جاری تھی۔ یہ شخص بڑے وسیع تعلقات رکھتا تھا۔ دُنیا کے بیشتر حکمرانوں سے اس کے شخصی مراسم تھے۔ اس کی کوششوں کے جواب میں زارِ رُوس سائبیریا کا وسیع علاقہ دینے پر آمادہ تھا۔ برطانیہ نے آسٹریلیا اور یوگنڈا کا علاقہ دینے کی پیش کش کی۔ لیکن یہودی قوم کی نگاہیں فلسطین پر جمی ہوئی تھیں۔ اِس لیے انہوں نے رُوسی اور برطانوی پیش کشیں رَد کر دیں۔

فلسطین اُس وقت خلافتِ عثمانیہ کا حصّہ تھا۔ اِس لیے پہلے سلطان عبدالحمید خاں پر ڈورے ڈالے گئے۔ سلیمان منصور یہودی لکھتا ہے کہ "ہم نے چند کروڑ گنی سلطان عبدالحمید خاں کو پیش کیں کہ وہ فلسطین ہمیں دے دے۔ سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ اور ہمارے آدمیوں کو عقارت سے باہر نکلوا دیا۔ ہم نے طے کر لیا کہ وقت آنے پر اس متکبّر کو خاک میں ملا دیں گے۔ اور ترکوں کی حالت امریکہ کے ہنودِ احمر سے بھی بدتر بنا دیں گے۔" ہرٹزل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ پیش کش کے جواب میں سلطان نے کہا: "ڈاکٹر ہرٹزل کو مطلع کر دو کہ وہ فلسطین میں ریاستِ یہود بنانے کا خواب ترک کر دے۔ جب تک سلطنتِ عثمانیہ موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" یہ ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ہی نوجوان ترکوں نے اور فوجی جرنیلوں نے "اتحاد و ترقی" کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس نے آگے چل کر سلطان کو معزول کیا اور خلافت کا خاتمہ کیا۔ اِس سلسلہ

مِس نیسٹا ویبسٹر (NESTA WEBESTER) کا بیان سُننے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"نوجوان ترکوں کی یہ تحریک سالونیکا کے فری میسن کے ماحول میں پیدا ہوئی۔ اٹلی کے "گرانڈ اورنٹیل ماسٹر" کی رہنمائی میں پروان چڑھی"

مصطفٰے کمال، جودت اور دوسرے نوجوان افسر سب کے سب فری میسن لاج کے رکن تھے۔ اور بعض تو اُن میں سے یہودی دونما فرقے کے افراد تھے۔ یہ بات سُن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ جب سلطان کو معزول کیا گیا تو معزولی کی اطلاع سلطان تک پہنچانے والا فری میسن لاج کا گرانڈ ماسٹر قرہ صو یہودی تھا۔ اس طرح جنگِ عظیم اوّل کے خاتمہ ۱۹۱۸ء سے قبل ہی انگریزوں نے اعلان بالفور ۱۹۱۷ء کے ذریعہ فلسطین میں یہودیوں کا وطن قائم کر دیا۔ ورکس نارڈن نے سیل میں ۱۹۰۳ء میں ایک تقریر کی تھی جس میں مستقبل کے متعلق پیش گوئی کی تھی:

"سُنو! میں تمہیں بتاتا ہوں۔ آنے والے مرحلے کیا ہوں گے۔ ہرٹزل۔ صہیونی کانگریس۔ یوگنڈا کی برطانوی پیش کش۔ مستقبل کی جنگ عظیم۔ امن کانفرنس۔ برطانیہ کی مدد سے فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام" ۔ پندرہ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوگئی۔

اب ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیے کہ انجمن ترقی و اتحاد کے وہ ترک نوجوان جو مجاہد اور غازی کہلائے وہ فی الحقیقت یہودیوں کے ہاتھ میں آلۂ کار تھے۔

ان تمام واقعات کو سامنے رکھیے اور غور کیجیے کہ یہودیوں کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ ان کے اثرات کتنے وسیع ہیں۔ پیرس کا اخبار جنرل لا پیرس لکھتا ہے کہ:

"گزشتہ صدی کا مفہوم بس اس قدر ہے کہ تقریباً ۳۰۰ یہودی ماہرین مالیات جو سب کے سب فری میسن لاج کے گرانڈ ماسٹر ہیں، وہ درحقیقت دُنیا پہ حکومت کرتے ہیں"۔

ایلفرڈ لیلینتھل لکھتا ہے:

"یہودیوں کی گرفت امریکی پریس پر اس قدر قوی ہے کہ بادی النظر میں اس پر یقین نہیں آتا"

لنڈن ٹائمز نے ۸ مئی ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں لکھا تھا،

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جرمن قیادت (POX GERMANICA) سے بھاگ کر یہودی قیادت (POX INDAICICA) میں گرفتار ہو رہے ہیں"

یہودیوں کی طاقت اور اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عیسائیوں سے ان کا دو ہزار سال پرانا عقیدہ تبدیل کروا دیا۔ ۱۹۶۵ء میں کیتھولک چرچ کے سربراہ پاپائے اعظم نے فیصلہ صادر کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قاتل یہودیوں کو قرار دینا غلط ہے اور افسوس ظاہر کیا کہ ناحق یہودیوں کو نفرت اور حقارت کا ہدف بنایا جاتا ہے۔ ایک یہودی وکیل ہنری کیلن لکھتا ہے:

"اقوامِ متحدہ کا ادارہ بھی صہیونیت کا ایک کرشمہ ہے۔ یہ وہ بالاترین حکومت ہے جس کا ذکر بزرگانِ صہیون کے مسودہ میں بارہا آتا ہے۔"

اس کے بعد یہود کا یہ دعویٰ سننے کے قابل ہے:

"کوئی دو قومیں باہمی معاہدہ نہیں کر سکتیں، تاوقتیکہ ہمارا مخفی ترین ہاتھ وہاں کام نہ کر رہا ہو"۔

ان وسیع تر حقائق کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ اسرائیل اور عربوں کا مقابلہ ۲۶ لاکھ اور ۱۲ کروڑ افراد کا مقابلہ نہیں ہے۔ بلکہ فی الواقع اسرائیل کی پشت پر تمام عالمی قوتیں ہوتی ہیں۔ اس کو اتنے وسیع اور عمیق ذرائع و وسائل حاصل ہیں کہ عربوں کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔

اب ان یہودیوں کا فوری ہدف یہ ہے کہ مصر، شام، عراق اور حجاز پر قبضہ کیا جائے — بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کیا جائے۔

انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ عالمِ اسلام میں قابلِ لحاظ طاقت پاکستان کی ہے اور پاکستان نے ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیا ہے۔ یہودی ریاست کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہودی سازش کنندگان کی نگاہیں اب پاکستان پر بھی ہوئی ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے انتشار اور افتراق کی قوتیں پاکستان میں قوی سے قوی تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ ان مجاہدانِ وطن میں کتنے بیرونی طاقتوں کے آلۂ کار ہیں۔ چالیس، پچاس سالوں کے بعد جب اس ڈرامہ کے اداکاروں کی ڈائریاں طبع ہو کر عوام کے سامنے آئیں گی تو پتہ چلے گا کہ کتنے مجاہد فی سبیل اللہ درحقیقت مجاہد فی سبیل الطاغوت تھے۔

(باقی بر صفحہ ۳۰)

(بقیہ عالم اسلام اور یہودی سازش)

یہودی کتنے ہی چالاک اور سازش گر ہوں، مگر سب کچھ وہی نہیں ہیں۔ اس کائنات کو مدبر و حکیم خداوند تعالیٰ چلا رہا ہے۔ وہ افراد کو اور اقوام کو ایک حد تک آزادی دیتا ہے، ورنہ پھر ان کی گرفت کر ڈالتا ہے۔ اور اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جب کبھی یہ (یہودی) جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کرتے ہیں، مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (مائدہ - ۶۴)